غالب کا سائنسی شعور از ڈاکٹر حامد علی شاہ

ڈاکٹر سعید احمد

Dr. Saeed Ahmad

Chairman, Department of Urdu,

Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

"Ghalib ka Scienci Shaoor" *is an explanation of Ghalib's selective poetry written by a reknowned geologist Dr. Hamid Ali Shah. In this book, Dr. Hamid explained that Ghalib Possessed very clear and profound vision of science. This book proves that Ghalib's poetry is the finest blend of poetic aesthetic sense and scientific consciousness.*

غالب کا کلام واقعی گنجینہ معنی کا طلسم کدہ ہے۔ ہر شارح اپنے ظرف اور ذوق کے مطابق تشریح و تحسین کرتا ہے۔ اردو ادب میں سب سے زیادہ شرحیں کلام غالب ہی کی لکھی گئی ہیں۔ غالب عرفا کو عارف صوفیا کو صوفی، اولیا کو ولی، حکما کو حکیم، شعرا کو شاعر اور سائنسدانوں کو سائنس دان نظر آتا ہے۔ ''غالب کا سائنسی شعور'' ڈاکٹر سید حامد علی شاہ کی قابلِ قدر تصنیف ہے۔ ڈاکٹر حامد بین الاقوامی شہرت کے حامل ماہرِ ارضیات ہیں۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے غالب کے بہت سے اشعار کی تشریح و توضیح سائنسی نقطہ نظر سے کی ہے اور غالب کے سائنسی شعور کو خوب سراہا ہے۔ کتاب کے آغاز میں جمیل الدین عالی، سید محمد تقی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر پیرزادہ قاسم کی آرا شامل ہیں۔ ان تاثرات سے کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے۔ جمیل الدین عالی ''حرفے چند'' میں رقم طراز ہیں:

> ''بلاشبہ ڈاکٹر سید حامد علی شاہ نے اس تفہیم غالب کے حوالے سے اپنے خاص انداز بیان میں بعض محترم پیش رووں کی ایسی ہی توسیعی تعبیر میں بیش بہا اضافے کیے ہیں۔ ان کی ہر تعبیر سے متفق ہونا تو ضروری نہیں کہ بعض اوقات کھینچ کھانچ کر دوسرے شعرا کے غیر متعلق اشعار پر بھی یہی مشق کی جا سکتی ہے اور وہ مگس کو باغ میں جانے نہ دینا جیسے معنویتی مشقوں سے بھی آگے چلی جائے گی۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ اب تک اس سطح کی سب سے زیادہ جامع کوشش نظر آتی ہے۔ جس میں غالب کے شعورِ سائنس کو ان کے اُردو اشعار سے اتنا اجاگر کیا گیا ہوگا۔ کاش کوئی سائنس دان فارسی کلامِ غالب پر بھی پوری توجہ کے ساتھ ایسی مثالیں مرتب کر سکے۔۔۔ فارسی دیوان کا پہلا شعر ہی جدید سائنس کی رو سے بھی ایک لا محدود جہان معنی لگتا ہے۔

اے بخلا و ملا خو کے تو ہنگامہ را
باہمہ در گفت گو بے ہمہ با ماجرا(۱)

سید محمد تقی نے ''چند تاثرات'' میں ڈاکٹر حامد کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے غالب کے سائنسی شعور پر بھی روشنی ڈالی ہے:

''مرزا غالب ان چند شعرا میں شامل ہیں جو مسلم کلچر کی بھرپور فکری اور سائنسی سوچ سے آگہی رکھتے تھے، جیسے مثلاً بیدل تھے کہ جن کے اشعار سے کئی جگہ کلامِ غالب سے توارد نظر آتا ہے پھر ایک بیدل ہی نہیں دوسرے کئی شعرا کے کلام کے ساتھ بھی یہی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ غالب کے ساتھ ایک اختصاص یہ ہے کہ وہ بعض اعتبارات سے ان حدود سے آگے قدم رکھتے ہیں، جہاں عام طور پر دوسرے فارسی اور اُردو کے شعرا پہنچتے ہیں۔ فلاسفی کا وہ حصہ جو مسلم کلچر کے دور میں پروان چڑھا ہے اس کی مابعد الطبیعیات تو فکر کی ان گہرائیوں، ان اعماق تک پہنچتی ہے جس تک آج کے جدید کلچر سمیت تاریخ کا کوئی کلچر نہیں پہنچ سکا۔ اس فلاسفی کا وہ ابتدائی حصہ جو طبیعیات یعنی سائنس سے تعلق رکھتا ہے وہ ان بہت سے نظریات پر مشتمل رہا ہے جو ہم آج کی سائنس میں پڑھتے ہیں۔ غالب اور فارسی واُردو کے دوسرے صفِ اول کے شعرا ان مباحث سے آگہی رکھتے تھے البتہ جس انداز سے غالب نے ان خیالات کو برتا ہے وہ خال خال ہی کہیں اور نظر آتا ہے۔''(۲)

ڈاکٹر انور سدید ''عرضِ سدید'' کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ انہیں ڈاکٹر سید حامد کی آپ بیتی ''سنگ کے سنگ''، ''قومی ڈائجسٹ'' میں قسط وار شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ ڈاکٹر انور سدید ڈاکٹر سید حامد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ محض جیالوجسٹ نہیں بل کہ فطرت کے نبض شناس ہیں۔ وہ پتھروں کو مس کرتے تو پتھر ان سے باتیں کرنے لگتے۔ ڈاکٹر انور سدید غالب کے سائنسی شعور کے متعلق لکھتے ہیں:

''غالب کی پیدائش کے وقت مغرب میں سائنس بہت ترقی کر چکی تھی۔ انیسویں صدی میں عقلی علوم کے ساتھ تجرباتی علوم کا ارتقا تیز تر ہوگیا۔ برصغیر پر انگریزوں کی گرفت مضبوط اور ان کی سلطنت کی طنابیں کڑی ہوگئیں تو نئی ایجادات کا فیض مشرق بھی اٹھانے لگا۔ غالب اس نئے تناظر کا شاہد بھی تھا اور تماشائی بھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب نے سائنس نہیں پڑھی لیکن گمان کیا جاسکتا ہے کہ جب بجلی، ریل، سٹیم انجن، مقناطیسی قوت، کشش ثقل اور ٹیلی فون وغیرہ مشرق میں متعارف ہو چکے تھے تو غالب ان کی شناسائی سے کس طرح محروم رہ سکتا تھا۔ چنانچہ غالب کے مشرقی شعور نے بالواسطہ طور پر سائنسی شعور کا مشاہدہ بھی کیا اور پھر یہ ان کی شاعری میں لاشعوری طور پر سماتا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ رابرٹ اسٹیفن، پارسن فیراڈے، جارج اسٹیفن اور مسٹر واٹ وغیرہ جب مغرب میں گوناں گوں سائنسی ایجادات کر رہے تھے تو ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں مرزا غالب ایسی شاعری کر رہے تھے جن میں ان ایجادات کے وہ پس منظری نظریے موجود تھے جو فطرت کے ساختہ پرداختہ

تھے۔ ان میں سے بعض نظریات غالب کی شاعری کے بطون میں بھی سما گئے۔ تاہم یہ کہنا مناسب ہے کہ اس خفیہ عمل کا خود غالب کو بھی علم نہیں تھا وہ تو بڑی معصومیت سے کہہ رہا تھا۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

معنوی طور پر سائنس دان کا عمل شاعر کے تخلیقی عمل سے مختلف نہیں۔ سائنس دان اور شاعر ابتدا میں خواب دیکھتے ہیں۔ سائنس دان خواب کی تعبیر عملی زندگی میں تلاش کرنا اور پھر تجربے سے اس کی صداقت ثابت کر دیتا ہے، شاعر کا خواب خیالوں کا ہیولا ہی رہتا ہے۔ لیکن جب اس کی صورت گری شعر میں ہوتی ہے تو تجربے کی صداقت کا ایک دوسرا موضوعی روپ سامنے لے آتی ہے۔ غالب اس دوسرے روپ ہی کا عظیم نمائندہ شاعر ہے۔'' (۳)

ڈاکٹر پیرزادہ قاسم نے اپنے تاثرات ''تجربہ'' کے عنوان سے تحریر کیے ہیں۔ وہ غالب کے سائنسی شعور کے متعلق لکھتے ہیں:

''غالب کی شخصیت اور فن کا تجزیہ کریں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ غالب بھی دیگر نابغہ روزگار ہستیوں کی طرح اپنے عہد سے بہت آگے دیکھنے اور سوچنے والے فرد تھے۔ اسی فکر نے انہیں ردوقبول اور اجتہاد کا حوصلہ بھی عطا کر دیا تھا لیکن ایک اور بات بھی جو انہیں یکتا اور بے مثال بناتی ہے اور وہ ان کا سائنسی شعور ہے۔ سائنسی شعور کے لیے جو تخلیقی اور تشکیلی ذہن درکار ہے وہ غالب کے ہاں نمایاں نیرنگی کے ساتھ ساتھ جلوہ گر ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غالب نے سائنس کا مطالعہ کیا تھا؟ اس سوال کا جواب بھی ایک سوال ہی ہے کہ اس روئے زمین کے پہلے سائنس دان نے سائنس کس سے پڑھی؟ بات صاف ہے۔ بھلا فطرت و قدرت اور مشاہدے و مطالعہ سے بڑھ کر استاد اور کون ہو سکتا ہے۔ غالب نے کہا ہے کہ ''مجھے جو لطافت طبع عطا ہوئی ہے وہ مبدءِ فیاض کا ہی فیض ہے کسی غیر سے میں نے کچھ نہیں لیا''

لطف طبع از مبدءِ فیاض دارم نے غیر

غالب کا سائنسی شعور انہیں مظاہر فطرت کے مشاہدے اور غور و فکر سے پیدا ہوا اور پروان چڑھا۔ غالب نے اپنا عہد اور عہد سالاروں کی قدر ضرور کی ہے، تاہم ان کا ذہن نئی روشنی، نئی بصیرت اور سائنس کی برکتوں کا اعتراف کرنے سے ذرا بھی نہیں کتراتا، بل کہ نہایت خوش دلی سے اپنے معاشرے کے لیے ان برکتوں کا آرزومند نظر آتا ہے۔'' (۴)

ڈاکٹر سید حامد علی شاہ نے ''عرض مصنف'' کے عنوان سے غالب سے اپنی عقیدت اور دل بستگی کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر حامد چوں کہ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور بعد ازاں لندن سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ تقسیم سے قبل علی گڑھ کی فضا میں

غالب کے اشعار کا چرچا رہتا تھا۔سید صاحب کا کہنا ہے کہ انھیں بطور سائنس دان غالب کے جس پہلو نے زیادہ متاثر کیا وہ غالب کا سائنسی شعور ہے۔سید حامد نے اس کتاب میں غالب کے نوے (۹۰) اشعار کی سائنسی نقطہ نظر سے تشریح کی ہے۔

اکثر تشریحات سے تشفی نہیں ہوتی اور یوں لگتا ہے کہ سید صاحب چوں کہ خود ایک سائنس دان (اور غالب کے مداح) ہیں اس لیے وہ بعض سیدھے سادے اشعار میں بھی کوئی نہ کوئی سائنسی بات ڈھونڈ لیتے ہیں۔سید صاحب کی بعض تشریحات سے اختلاف کی گنجائش بھی موجود ہے تاہم مجموعی طور پر اس کاوش کو مستحسن کہا جا سکتا ہے:

''غالب کا سائنسی شعور'' شرح غالب کی روایت میں ایک منفرد کوشش ہے۔سید حامد نے غالب کے اشعار کی شرح کے لیے بیشتر مولانا غلام رسول مہر کی ''نوائے سروش'' سے استفادہ کیا ہے اور دیگر شارحین میں سے حسرت موہانی اور بیجنو دہلوی کے حوالے دیے ہیں۔

ڈاکٹر سید حامد علی شاہ کی تشریحات کے چند نمونے مندرجہ ذیل ہیں:

ضعف سے گر یہ مبدل بہ دم سرد ہوا
باور آیا مجھے پانی کا ہوا ہو جانا

شرح: یہ غالب کا مشہور شعر ہے جو ان کے سائنسی شعور کو ظاہر کرنے کے لیے اکثر سنایا جاتا ہے۔اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ: ''کمزوری سے آنسو سرد سانس میں بدل گئے ،جس سے ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ پانی ہوا میں تبدیل ہو جاتا ہے۔'' پانی کا ہوا میں تبدیل ہو جانا ایک طبعی کیمیائی (Physio Chemical) عمل ہے۔غالب کے آنسوؤں کو سرد سانس میں بدلنے کو کہہ کر سائنسی اعتبار سے کمال ہی کر دیا ہے۔جب کوئی رقیق مادہ (Liquid) ہوا یا گیس میں تبدیل ہوتا ہے تو اس سائنسی عمل کے دوران ٹھنڈک پیدا کرتا ہے۔جیسا کہ ہم ہوا سے پسینہ خشک (Evaporate) ہوتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔''(۵)

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

شرح: اس مضمون کو نظم کرنے پر غالب کو سائنس دان خاص طور پر ماہرین علم الارض جتنی داد دیں کم ہے۔پتھروں خاص طور پر آتشی چٹانوں میں رگیں ہوتی ہیں جو کہ سیال آتشی مادے سے بنتی ہیں۔یہ مادہ اکثر پندرہ سوسینٹی گریڈ کے آس پاس گرمی لیے ہوئے ہوتا ہے اور سیال چیز کی طرح پتھر کی رگوں میں پھرتا ہے۔غالب نے اس آتشی ارضیاتی عمل (Igneous Geological Action) کو اپنے شعر میں استعمال کیا ہے۔یعنی کہ ان کا غم اس قدر پرسوز اور تکلیف دہ ہے کہ یہ اگر شعلہ ہوتا تو اس کی شدید گرمی سے پتھر بھی پگھل کر خون کی طرح ٹپکنے اور بہنے لگتا اور یہ مستقل گرمی کبھی بہاؤ کو رکنے نہ دیتی۔غالب نے جو جیالوجی کا باریک نکتہ یہاں استعمال کیا ہے وہ ہے ''رگ سنگ'' اس کی وجہ سے یہ شعر غالب کی صحیح سنگ شناسی اور جیالوجی کے شعر کو ظاہر کرتا ہے۔فرض کریں کہ اگر وہ ''رگِ سنگ''

کی جگہ تہِ سنگ استعمال کرجاتے، جس کی غلطی کا احتمال ایک ماہرالارض سے بھی ہوسکتا ہے، تو یہ شعر جیالوجی کے اعتبار سے مہمل ہوکر رہ جاتا کیوں کہ آتشی پتھروں کی گرمی رگوں کے اندر سفر کرتی ہے۔تہوں سے نہیں۔ تہ والے پتھر اکثر پانی میں بنتے ہیں اور رگیں آتشی عمل (Igneous Aclivity) کا نتیجہ ہیں۔ایسے آتشی عمل پر اپنی بنیاد ہونے کی وجہ سے شعر تخیلاتی اور سائنسی طور پر درست ہی نہیں بل کہ نہایت بلند ہوگیا ہے۔یعنی کہ غالب کو جو غم لگا ہوا ہے،اس کی شدید حدت پتھر بھی برداشت نہیں کرسکتے۔'' (۶)

لگاؤ اسکا ہے باعث قیامِ ہستی کا
ہوا کو لاگ بھی ہے کچھ مگر حباب کے ساتھ

شرح: اس شعر میں جو بات کہی گئی ہے وہ بظاہر بالکل سیدھی ہے جس کو غلام رسول مہر نے مندرجہ ذیل پیرائے میں بیان کیا ہے:

''ہوا کا لگاؤ ہی بلبلے کے لیے زندگی کا باعث ہے یعنی ہوا ہی کی بدولت بلبلہ پیدا ہوتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ لگاؤ کے ساتھ ہوا کو بلبلے سے لاگ بھی ہے یعنی دشمنی بھی ہے کیوں کہ ہوا اسے توڑ بھی دیتی ہے۔اس شعر میں بلبلے کے بننے اور ختم ہونے (Buble formation and destruction) کے عمل کو موزوں کیا گیا ہے اور اس کا اظہار بیان (Expression) بھی بڑا سائنسی ہے۔ ہوا ہی بلبلے کو پیدا کرتی ہے اور چند لمحوں بعد ہوا ہی اس کو توڑ بھی دیتی ہے۔یعنی اس کو بلبلے سے لگاؤ بھی ہے اور لاگ بھی۔ سائنسی زبان میں اس کو یوں کہا جاتا ہے کہ ہوا کسی طریقے سے جب پانی میں داخل ہوجاتی ہے تو اپنے آپ کو پانی میں چھپا (Cover) لیتی ہے کیوں کہ ہوا پانی سے ہلکی ہوتی ہے اس لیے اوپر اٹھ کر سطح آب پر آجاتی ہے اور بلبلے کے اندر کی ہوا کا دباؤ اختیار کرلیتی ہے تو اس کو ختم کردیتی ہے۔ غالب نے یہ سب کچھ دیکھا اور شعر میں سمودیا۔'' (۷)

بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں
مرحبا میں، کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

شرح: یہ شعر غالب کے اُن بہت سے اشعار میں سے ایک ہے جس کی بنیاد ایک باریک سائنسی نکتے پر ہے۔ ایک دھات (Mineral) کو دوسری دھات سے الگ کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں ان میں ان کی متناسب سختی (Comperative Hardness) کا بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔ یہ اصول وہی لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، جو علم معدنیات وحجریات (Mineratogy and Petrology) سے کچھ واقفیت رکھتے ہوں۔مضبوطی یا سختی کو ناپنے کے لیے مہز کا پیمانہ (Moh's scale of Hardness) کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ سخت تر دھات سخت دھات کو گھس دیتی

ہے۔ غالب فرماتے ہیں کہ ان کی سخت جانی اتنی زیادہ ہے کہ جب محبوب کی نظر کی تلوار ان کے بدن پر پڑتی ہے تو انکا بدن اس کے لیے سان یعنی محبوب کی نظر کی تلوار کو تیز کرنے والا پتھر بن جاتا ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے کہ ان کا بدن تلوار سے زیادہ سخت ہو اور جب تلوار اس سے ٹکرائے تو اس کو رگڑ کر تیز کر دے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کی سخت جانی کیا خوب ہے بل کہ مبارک ہے اس لیے کہ وہ محبوب کی تیغ نگاہ کے لیے سان (Whet-stone) بن گئی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ یہ شعر غالب کے ان اشعار میں سے ایک ہے جن میں سائنسی بات نہایت باریکی سے چھپی ہوئی ہے اور پڑھنے والوں کے لیے خاص طور پر جو سائنس نہیں جانتے، اس کا سمجھنا ناممکن سا ہے، سائنس دانوں کی سمجھ میں بھی یہ باریکی اس وقت آتی ہے جب اس کی طرف کوئی اشارہ کرے۔'' (۸)

وہ تپ عشقِ تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع
شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

شرح: شعر کا مطلب یہ ہے کہ شمع میں آگ تو دھاگے کے اوپر کے حصے میں لگتی ہے مگر گرمی نیچے آخر تک پہنچ جاتی ہے اور پوری شمع گرم ہو جاتی ہے۔ اس طرح غالب یہ آرزو کرتے ہیں کہ وہ بھی ایسا سوز حاصل کریں جس کی گرمی ان کے جگر تک پہنچ جائے۔ اس شعر میں بہت ہی عمدگی سے حرارت کے ایصال (Conduction of Heat) کے سائنسی مظہر کو نظم کیا گیا ہے۔ اگر لوہے کی کسی سلاخ کے ایک سرے کو گرم کریں تو گرمی اس کے دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے، جسے ایصال حرارت (Conduction of Heat) کہا جاتا ہے۔ یہی کام شمع کا دھاگہ کرتا ہے اور اسی کی غالب کو اپنے عشق میں تمنا ہے کہ گرمی جگر تک پہنچ جائے۔'' (۹)

ڈاکٹر سید حامد علی شاہ کی ان تشریحات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غالب کی شاعری میں سائنسی شعور کے بہت سے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ سطح بین قارئین غالب کے اشعار کے غائر مطالعے سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے وہ ان تشریحات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ غالب کے سائنسی شعور سے محظوظ ہونے کے لیے قاری کا سائنسی اندازِ فکر کا حامل ہونا ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عالی، جمیل الدین، حرفے چند، مشمولہ: غالب کا سائنسی شعور، از ڈاکٹر حامد علی شاہ، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۵ء، ص: ۹۵

۲۔ محمد تقی، سید، چند تاثرات، مشمولہ: غالب کا سائنسی شعور، از ڈاکٹر حامد علی شاہ، ص: ک

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، عرض سدید، مشمولہ: غالب کا سائنسی شعور، از ڈاکٹر حامد علی شاہ، ص: س

۴۔ قاسم، پیرزادہ، ڈاکٹر، تجزیہ، مشمولہ: غالب کا سائنسی شعور، از ڈاکٹر حامد علی شاہ، ص: ۴-۳

۵۔ حامد علی شاہ، ڈاکٹر، غالب کا سائنسی شعور، ص: ۶۵

۶۔ ایضاً، ص: ۷۰-۶۹

۷۔ ایضاً،ص:۱۱۰۔۱۱۱

۸۔ ایضاً،ص:۱۱۷۔۱۱۸

۹۔ ایضاً،ص:۱۳۵

☆......☆......☆